کام مکمل کرے گی۔ اور اسے ہر سال ایک رپورٹ مرتب کر کے پیش کرنا ہوگی۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ توقع پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کونسل اس اہم کام کی اہل ہو اور اس کام میں مخلص بھی، تو اس کے ذریعہ ایک بڑا کام ہو سکے گا۔

مگر افسوس کہ کونسل کی موجودہ تشکیل سے ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور اس ملک میں اسلام اور اسلامی قانون سازی کی رہی سہی تمنائیں بھی خون ہوگئیں۔ اگر حکومت ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے دعووں میں مخلص ہوتی تو کونسل کی تشکیل میں اپنے وقتی مفادات اور تحفظات کو دخل نہ دیتی اور اس کیلئے ایسے اہل اور جامع افراد نامزد کئے جاتے جو اس عظیم اور اہم کام کے واقعی معنوں میں اہل ہوتے مگر افسوس کہ سوائے ایک رکن کے جو اسلامی علوم کی درس و تدریس کے پندرہ سالہ تجربہ پر پورا اترتے ہوئے جو علم حدیث ادب اور فقہ میں مہارت رکھتے ہیں مگر جنہیں خود بھی فقہ اصول فقہ یعنی اسلامی قانون سازی کے بنیادی علوم میں مہارت تامہ کا دعویٰ نہیں، باقی کسی رکن میں آئین کے تقاضے اور فنی مہارت تو کیا علوم اسلامیہ کے الف باء پر وہ پورے نہیں اتر سکتے، اور اسطرح موجودہ کونسل کی حیثیت بھی عوام کی نظروں میں وہی رہ گئی ہے جو ایوب خان کے نامزد کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کی تھی۔ اور جس میں عہد اکبری کے ملا مبارک کی وہ ساری اولاد جمع کی گئی تھی جو شہنشاہ والاتبار کے اشارہ پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا کرتے تھے اور جو لاکھوں روپیہ کے اخراجات کے بدلے قوم کو فکری انتشار و اضطراب کے سوا اور کچھ نہ دے سکی۔ موجودہ آئین میں جبکہ اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ اسلامی قانون سازی کے رو سے بھی ناگزیر ہے حکومت کو چاہئے کہ اولین فرصت میں کونسل کی موجودہ تشکیل پر نظر ثانی کرے اور اس آئین کے تقاضوں کو پورا کرے۔ جسے عوامی حکومت اپنا سب سے بڑا کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کونسل کی موجودہ شکل پر نہ تو مسلمانوں کے سواد اعظم کا اعتماد حاصل ہو سکے گا نہ اسکی کوئی رائے اسلامی نقطہ نظر سے کسی اعتماد کی قابل تصور ہو سکے گی۔

مولانا شمس الدین شہیدؒ

کتنا المناک اور افسوسناک ہے بلوچستان کے مرد مومن اور جری و حق گو عالم دین مولانا شمس الدین کی شہادت کا واقعہ۔ اور یہ افسوس و ماتم بھی ان محرکات اور حالات کا ہے۔ جو سیاسی بھی ہیں اور مذہبی بھی، ورنہ مولانا کی زندگی کا یہ انجام ماتم و حسرت کا نہیں بلکہ مردان حق اور قافلۂ عزیمت رشک بہشت کیلئے

صد ہزار افتخار کا مقام ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی سنت پر عمل پیرا رہے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ سے لے کر شیخ الہندؒ تک قافلہ سالارانِ حریت اور علمبردارانِ عزیمت کی سنتوں کو تازہ کیا۔ جس سلسلۃ الذھب سے وہ وابستہ ہو گئے تھے۔ ان کی سیرت میں سوائے جہد وجہاد اور صبر واستقامت ابتلاء ومحن اور دعوت وعزیمت کے اور کسی بات کی گنجائش ہی نہیں، مولانا شمس الدین بھی اپنے پیشروں کی طرح عاش سعیداً ومات شہیداً کے مصداق بن گئے۔ اور اپنے دور اپنے عہد کیلئے قربانی کے روشن چراغ جلا کر چلے گئے۔ وہ ابھی جوان تھے ان کی زندگی کتنی مختصر تھی۔ مگر دعوت وعزیمت کے صدہا ابواب کو انہوں نے اس مختصر سی زندگی میں روشن اور تابدار کیا۔ وہ ہر باطل کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ مرزائیوں نے ہمیشہ بلوچستان کو قادیانی سازشوں کا مرکز اور برصغیر کا فلسطین بنانے کی کوششیں کیں اور جب پچھلے دنوں وہاں خانہ جنگی برپا کرنے کے طے شدہ پروگرام کے تحت ہزاروں محرف تراجم قرآن کے نسخے تقسیم کئے تو مولانا مرحوم غیور مسلمانوں کے ساتھ اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ پھر انہیں طمع ولالچ اور ڈرانے دھمکانے کے صدہا طریقوں سے آزمایا گیا۔ انہیں وزارت اعلیٰ کی پیشکش کی گئی۔ مگر وہ حق واستقامت پر مبنی موقف سے سرمو نہ ہٹے بالآخر ملیشیا فوج نے ۸ار جولائی سے انہیں میوند اور دیگر پہاڑی علاقوں میں نظر بند کیا اور نظر بندی ایسا کہ مفتی محمود صاحب اور دیگر حضرات کے احتجاج کے باوجود ان کی زندگی اور موت تک کا کچھ پتہ نہ چلتا۔ اس وقت کے گورنر نے ان کے والد کو بلایا کہ کسی طرح ان کے عظیم فرزند کو "سمجھانے" کا کام ہو سکے مگر غیور فرزند کے اولوالعزم والد نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تو ایک شمس الدین ہے۔ میں آبروئے تاج وتخت ختم نبوت قائم رکھنے کیلئے ایسے دس شمس الدین بھی قربان کر سکتا ہوں۔ بالآخر وہ رہا ہو کر آ گئے۔ مگر جذبۂ اظہارِ حق اور مقامِ عزیمت میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی تھی۔

انہوں نے رازہائے دروں کی نقاب کشائی شروع کی، بلوچستان میں ایرانی افواج کی موجودگی کا دعویٰ کیا اور شواہد پیش کرنے چاہے۔ الغرض اس مردِ قلندر پر دباؤ اور لالچ کا کونسا حربہ تھا جو نہ آزمایا گیا جس کے آگے بڑے بڑے پیرانِ پارسا اور دعویدارانِ زہد وورع بھی ٹھہر نہ سکے۔ مگر ایک نوجوان عالم نے علماء حق کی لاج قائم رکھی وہ ایک مردِ غیور تھے، بلوچستان کے دینی مستقبل اور امیدوں کا سہارا، مگر افسوس کہ ظالم ہاتھوں نے یہ چراغ بجھا دیا۔ ان کی تعلیم وتربیت میں دارالعلوم حقانیہ کا بھی خاصہ حصہ تھا۔ ان کا طالب العلمی کا ایک حصہ یہاں گذرا اس لئے دارالعلوم اپنے اس قابلِ فخر فرزند پر فخر کے ساتھ ساتھ خاص طور سے صدمہ میں بھی شریک ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وزیر اعظم پاکستان نے